مصر کے مظلوم، انصاف کے منتظر

کیتھرین سچر ○

اس دن قاہرہ کے علاقے رابعہ العدویہ چوک، قاہرہ میں ٹوٹنے والی قیامت کے بہت سے ثبوت موجود ہیں۔ عینی شاہدین، تصاویر، ویڈیوز، یہاں تک کہ ایک مکمل دستاویزی فلم بھی (Memories of a Massacre، ایک قتل عام کی یادیں)، جو اگست ۲۰۲۳ء میں جاری کی گئی ہے۔ ان تمام شواہد کے باوجود وہاں موجود متاثرین کا کہنا ہے کہ ایک عشرہ قبل ہونے والے اس قتل عام میں ملوث کسی بھی ایک کردار کو آج تک قرار واقعی سزا نہیں ملی۔

۱۴/اگست ۲۰۱۳ء کو رابعہ العدویہ چوک میں تقریباً ۸۵ ہزار افراد، اپنے وطن عزیز میں فوجی مداخلت سے پیدا شدہ صورتِ حال کے خلاف احتجاج کر رہے تھے، کہ مصری مسلح افواج نے جنرل سیسی کی قیادت میں انھیں گھیرے میں لے لیا۔ وہ مظاہرین یہاں اس لیے جمع ہوئے تھے کہ گذشتہ مہینے جولائی (۲۰۱۳ء) میں مصری فوج نے منتخب صدر محمد مرسی کا تختہ اُلٹ کر حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ محمد مرسی اخوان المسلمون میں بھی ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اس کارروائی کے بعد ان کے حامی مصر کے مختلف علاقوں میں جمع ہو رہے تھے۔

انسانی حقوق کی تنظیموں کے مطابق مصری مسلح افواج نے مظاہرین کو منتشر ہونے کا حکم دیتے ہی ان پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ مختلف اندازوں کے مطابق اس دن ۶۰۰ سے ۱۰۰۰ کے درمیان پُرامن اور نہتے شہریوں کو بلا اشتعال موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

● **انسانیت کے خلاف جرم؟**: 'ہیومن رائٹس واچ' نے تقریباً ۲۰۰ کے قریب گواہوں

○ نمایندہ خصوصی الجزیرہ ٹی وی، مقیم برلن، جرمنی

کے بیانات قلم بند کرنے کے بعد ۱۸۸ صفحات کی رپورٹ مرتب کی ہے، جو اس واقعے کو انسانیت کے خلاف جرم قرار دیتی ہے، جب کہ دیگر اداروں نے بھی اسے جدید تاریخ کا بدترین قتل عام قرار دیا ہے۔ اداروں کے مطابق یہ ہماری تاریخ کا ایک ایسا واقعہ ہے، جس کے سب سے زیادہ بصری (visual) ثبوت موجود ہیں۔ اس سب کے باوجود ایسا کیوں ہے کہ آج تک اس قتل عام کی پاداش میں نہ کسی کو سزا ہوئی ہے اور نہ کوئی قصوروار ٹھیرایا گیا ہے؟

مصری فوجی حکومت، انسانی حقوق کے اداروں کی مذکورہ بالا رپورٹوں کو [کمال ڈھٹائی سے] 'جانب دارانہ' قرار دیتی ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان رپورٹوں کی تردید کے لیے جنرل سیسی کی حکومت نے کسی درجے میں غیر جانب دارانہ تحقیقات کی ضرورت محسوس کی ہے اور نہ اس ضمن میں کسی سوال کا جواب دیا ہے۔ تاہم، عالمی دباؤ بڑھنے پر مصری حکومت نے اس قتل عام کے متعلق اندرونی طور پر تحقیقات کا اعلان کیا تھا، اور ۲۰۱۳ء کے اواخر میں حقائق کی نشاندہی کے لیے ایک کمیشن تشکیل دیا تھا، جب کہ ایک دوسری تفتیش انسانی حقوق کی مصری کونسل کے تحت کی گئی تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ دونوں تحقیقات، صدر مرسی کی جبری برطرفی کے خلاف مظاہرین ہی کو قصوروار قرار دیتی ہیں، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ ''اکثریت مسلح ہتھیاروں سے لیس تھی''۔ دوسری طرف عینی شاہدین اس دعوے کو باطل قرار دیتے ہیں۔ بہرحال دونوں تحقیقاتی رپورٹیں اس بات پر متفق ہیں کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے طاقت کا بلاجواز اور بے حساب استعمال کیا، لیکن قصورواروں کے لیے کوئی سزا تجویز نہیں کرتیں۔

۲۰۱۸ء میں اسی فوجی نظام کے تابع مصری حکومت نے ایک قانون کے ذریعے اعلیٰ فوجی افسروں کو عدالتی استثنا فراہم کر دیا تھا۔ اس قانون کی رُو سے ''۲۰۱۳ء میں آئین کی معطلی سے لے کر پارلیمنٹ کے اگلے اجلاس تک فوجی افسران کے تمام اعمال عدالتی مواخذے سے مستثنٰی ہیں''۔ اس کے بعد ۲۰۲۱ء میں مصری فوجی حکومت نے اپنی 'دستوری سپریم کورٹ' سے متعلق قوانین میں بھی تبدیلیاں کی ہیں۔

ان ترامیم کی رُو سے یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر مستقبل میں کوئی بھی بین الاقوامی عدالت یا ادارہ مصری سرکار کو انسانیت کے خلاف جرائم کا مرتکب اور سزا کا حق دار قرار دیتا ہے تو اس معاملے کو

بھی کارروائی کے لیے مصری سپریم کورٹ کے پاس ہی بھیجا جائے گا، اور یہی مصری سپریم کورٹ حتمی فیصلہ کرے گی کہ بیرونی اداروں کا فیصلہ درست اور قابلِ عمل ہے یا نہیں۔ انسانی حقوق کی وکیل مے السادا نے کہتی ہیں: ''یہ ترامیم ایک واضح پیغام ہے۔ اپنے شہریوں کو بتایا جا رہا ہے کہ انسانیت کے مجرم اپنی کارروائیاں اسی طرح قانونی استثنیٰ کے ساتھ جاری رکھیں گے، جب کہ بین الاقوامی برادری کو کھلا پیغام دیا جا رہا ہے کہ مصر بین الاقوامی نظام کے تابع نہیں ہے''۔

● **بیرونِ ملک انصاف کی تلاش**: اندرون ملک ان فسطائی حکومتی اقدامات کے بعد مظلوم مصریوں نے حصول انصاف کے لیے اپنی جدوجہد کو ملک سے باہر منتقل کرلیا ہے، تاہم اس سے بھی خاطرخواہ نتائج پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے اقوام متحدہ کے ادارہ برائے انسانی حقوق سے تحقیقات کی اپیل کی ہے، لیکن اس ادارے کی جانب سے دس سال گزرنے کے بعد بھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ افریقی یونین کے ذیلی ادارے، افریقی عدالت برائے انسانی وعوامی حقوق کے چارٹر پر مصر نے دستخط نہیں کیے ہیں۔ بین الاقوامی فوجداری عدالت (انٹرنیشنل کریمنل کورٹ) کے اراکین میں بھی مصر شامل نہیں ہے۔

۲۰۱۴ء میں مصری وکلا اور صدر محمد مرسی کی حریت و انصاف پارٹی نے بین الاقوامی فوجداری عدالت سے مطالبہ کیا تھا کہ رابعہ میں ہونے والے قتل عام اور انسانیت کے خلاف جرائم کی تحقیقات کی جائیں۔ لیکن اس عدالت نے ان کی درخواست کو اس اعتراض کے ساتھ رد کر دیا تھا کہ ''درخواست گزار مصری حکومت کے نمایندہ نہیں ہیں''۔

۲۰۱۵ء میں حریت و انصاف پارٹی کے وکلا نے برطانوی پولیس سے درخواست کی تھی کہ جنرل محمود حجازی کو گرفتار کرلیا جائے جو ان دنوں ہتھیاروں کی ایک نمائش میں شرکت کے لیے برطانیہ آرہے تھے کہ ان پر تشدد اور رابعہ آپریشن میں براہ راست ملوث ہونے کا الزام ہے۔ تاہم، پولیس نے اس بنیاد پر یہ درخواست رد کردی تھی کہ ''جنرل حجازی کو سفارتی استثنیٰ حاصل ہے''۔

روپرٹ سکل بیک لندن میں 'مداوا' (Redress) کے نام سے قائم ایک ادارے کے سربراہ ہیں، جو تشدد کا شکار ہونے والے افراد کو قانونی مدد فراہم کرتا ہے۔ ان کے مطابق: ''مصریوں کے پاس واحد راستہ یہی ہے کہ اقوام متحدہ کی مختلف کمیٹیوں کے ذریعے تحقیقات کی

درخواست دیں یا قضائے عالمی (Universal Jurisdiction) کے تحت عالمی اداروں سے کارروائی کا مطالبہ کریں''۔

● **کیا قضائے عالمی کا اصول معاون ہوسکتا ہے ؟**: سکل بیک کا کہنا ہے: ''اس معاملے کو حقیقت پسندی کی نظر سے دیکھا جائے تو قضائے عالمی کا اصول بھی اس قدر معاون نظر نہیں آتا کیونکہ مصر کی جانب سے اپنے اعلیٰ حکام کو ملک بدر کرنے یا کسی اور ملک کے حوالے کیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جرمنی میں بھی، جہاں اس قانون کا استعمال سب سے زیادہ کیا جاتا ہے، یہ مقدمہ چلنا مشکل ہے''۔

برلن میں قائم 'یورپی ادارہ برائے انسانی و دستوری حقوق' کے ڈائریکٹر، اینڈریاس شلر کا کہنا ہے: ''سب سے پہلے تو آپ کو قانون میں مقررہ تعریف کے مطابق یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ واقعی انسانیت کے خلاف جرائم کا ارتکاب کیا گیا ہے؟'' حال ہی میں شام کے جنگی مجرموں کے خلاف جرمنی میں جو مقدمے چلائے گئے ہیں، ان کا بنیادی محرک یہی تنظیم تھی۔ ان کا کہنا ہے: ''عدالت یا ادارے کی جانب سے اس واقعے کو انسانیت کے خلاف جرم قرار دینے کے لیے بہت محنت درکار ہے''۔

اس قانون کے تحت شامی مجرمان کے خلاف مقدمہ کی کئی وجوہ تھیں۔ مثلاً گواہان، شواہد اور مجرمان کی جرمنی میں موجودگی اور جرمنی کا سیاسی عزم۔ اینڈریاس کا کہنا ہے: ''یہ معاملہ شام کی صورتِ حال سے مختلف ہے۔ شامی حکومت کے ساتھ جرمنی کے سفارتی تعلقات نہیں تھے، جب کہ مصری حکومت کو بین الاقوامی طور پر اچھی خاصی حمایت حاصل ہے۔ مزید برآں مصری حکومت نے بین الاقوامی فوجداری عدالت اور اقوام متحدہ کے متعلقہ چارٹر پر بھی دستخط نہیں کیے ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی ملک ان کی شنوائی کے لیے تیار نہیں ہے۔

سکل بیک کا کہنا ہے: ''انسانی حقوق کے لیے کام کرتے ہوئے یہ مشکل اکثر پیش آتی ہے کہ کچھ مغربی ممالک سیاسی مصلحتوں کے باعث دیگر ممالک میں انسانی حقوق کے مسائل کو لے کر واضح مؤقف اختیار نہیں کرتے''۔

'ہیومن رائٹس واچ' سے تعلق رکھنے والے سینئر محقق امر مگدی بھی اسی موقف کے طرف دار

ہیں: ''خطے کی سیاسی صورتِ حال کے باعث مصر میں ہونے والی انسانی حقوق کی یہ خلاف ورزیاں نظرانداز ہوئی ہیں۔ اس زمانے میں یمن، لیبیا، شام سمیت سارا خطہ انھی مسائل سے دوچار تھا۔ مصری حکومت نے بین الاقوامی برادری کے مفادات کا بڑی مہارت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ موجودہ حکومت نقل مکانی، دفاع اور معاش جیسے معاملات میں مغربی ممالک کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے اور بدلے میں یہ ممالک جمہوریت اور انسانی حقوق کے معاملے میں مصری حکومت کے جرائم کو نظرانداز کردیتے ہیں''۔

● **مصر کے متعلق بدلتے رویے**: ایک اُمید تاہم باقی ہے کہ ایک دن 'رابعہ قتل عام' میں ملوث مجرمان عدالت کا سامنا ضرور کریں گے۔ اس معاملے سے متعلق زیادہ تر قانونی پہلو ۲۰۱۳ء کے شب خون کے فوراً بعد طے کیے گئے تھے۔ اس وقت بین الاقوامی برادری مصری حکومت کے مستقبل کو لے کر غیریقینی صورتِ حال کا شکار تھی، کیونکہ صدر محمد مرسی کے خلاف بھی عوام میں فوجی قیادت کے لیے حمایت موجود تھی۔

تاہم، پچھلے ایک عشرے میں صورتِ حال کافی تبدیل ہوچکی ہے۔ جنرل عبدالفتح السیسی کی حکومت اپنے آمرانہ طرزِعمل اور انسانی حقوق کی صریح خلاف ورزیوں کے باعث تنقید کی زد میں رہتی ہے۔ سکل بیک کا کہنا ہے: ''یہ ایک اچھا نکتہ ہے۔ یہ ساری کارروائی واقعے کے فوراً بعد کی گئی تھی۔ جب معاملہ گرم ہو تو لوگ ردعمل میں محتاط رہتے ہیں۔ ایسے واقعات میں عموماً شواہد اکٹھے کرنے کے لیے طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں طویل عرصے سے جاری روانڈا، کمبوڈیا، سابقہ یوگوسلاویہ اور جنگ عظیم دوم کے مقدموں کی مثال بھی موجود ہے، اور ایک عام قتل کے مقدمے کو بھی کسی نتیجے تک پہنچنے کے لیے وقت درکار رہتا ہے۔ اس لیے ان مقدمات میں بھی وقت صرف ہوسکتا ہے۔ تاہم، ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے''۔ (انگریزی سے ترجمہ: اطہر رسول حیدر)